تحریر: جے - سلڈانہ

انگریزی سے ترجمہ: ادارہ

جدوجہدِ آزادی میں اقلیتوں کا کردار

[" پاکستان گولڈن جوبلی" تقریبات کے حوالے سے مسیحی جرائد جدوجہد آزادی میں غیر مسلم اقلیتوں کے کردار کے حوالے سے مضامین شائع کر رہے ہیں۔ "عالمِ اسلام اور عیسائیت" کے زیرِ نظر شمارے میں "حروف اکیڈمی پاکستان" کے تعارف میں بھی یہ موضوع زیرِ بحث آیا ہے۔ کیتھولک ہفت روزہ "دی کرسچین وائس" (بابت ۲۰ جولائی ۱۹۹۷ء) نے فادر جے - سلڈانہ کا ایک مضمون شائع کیا ہے، مؤقر معاصر اور مضمون نگار کے شکریے کے ساتھ اس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ مدیر]

زندگی کے ڈرامے میں ہم سب ہی اداکار ہیں۔ تاریخ عام لوگ بناتے ہیں جو معمولی انداز سے کام کرتے ہوئے بڑے خواب شرمندہ تعبیر کرتے ہیں۔ ہمیں "قومی تحریک" اور "تحریک پاکستان" کے درمیان فرق کرنا چاہیے۔ اس بات کی شہادت موجود ہے کہ مسیحیوں، مسلمانوں، ہندوؤں اور پارسیوں سب نے ہندوستان بھر میں برطانوی اقتدار سے آزادی کے لیے مل کر لڑائی لڑی۔ اُنھوں نے قانون، صحافت اور احتجاجی تحریکوں کے میدان میں مختلف پارٹیوں کے ساتھ کام کیا۔ ۱۸۸۰ء کے عشرے میں شروع ہونے والی قومی تحریک کا وہ حصّہ تھے۔

جو لوگ اس جدوجہد میں نمایاں تھے، ہم اُنہیں فخر کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ بنگال کے کالی چرن بینرجی، اڑیسہ کے مادھوسدھن داس، لاہور کے سی - جی - ناتھ اور سی - ایف اینڈریوز کا گاندھی پر بہت اثر تھا۔ ۱۹۰۱ء میں بمبئی کے جوزف بپٹسٹا نے "ہوم رول" کی ترکیب وضع کی۔ اس بات کا اظہار دلچسپ ہے کہ ایچ - سی مکرجی نے اقلیتوں کے لیے نشستیں مخصوص کیے جانے کی اس لیے مخالفت کی کہ تمام مذاہب کے لوگ برابر کی سطح پر رہیں۔ راج کمار امرت کور نے بھی مخلوط انتخابات کی حمایت کی۔ ایلوئسسورز اور جوزف بپٹسٹا دونوں نے جداگانہ انتخابات کے اقدامات مسترد کر دیے تھے، تاہم پنجاب کے مسیحی ہمیشہ اور اُس وقت بھی جداگانہ انتخابات کی خواہش رکھتے تھے۔ شاید عدمِ تحفظ کے احساس کے تحت---؟

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کی قرار دادِ پاکستان برصغیر کی تاریخ میں ایک اہم موڑ تھی، جس میں برصغیر کے

مسلمانوں کے لیے ایک الگ ریاست قائم کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ سات سال بعد "پاکستان" کے نام سے ملک وجود میں آگیا۔

مسیحیوں نے سیاسی محاذ پر تھوڑا سا حصّہ ضرور ڈالا۔ یہ جاننا دلچسپ ہے کہ پنجاب اسمبلی نے جسے قائم ہوئے سو سال ہو رہے ہیں، دو مسیحیوں - چارلس ایچی سن اور جیمس لائل - کی کوششوں سے وجود میں آئی تھی۔ ۱۹۴۷ء میں اسمبلی کے ارکان کی تعداد ۹۰ تھی، ۶۶ مسلمان اور ۲۴ غیر مسلم جن میں سے تین ہندوستانی مسیحی تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ہندوستانی مسیحیوں نے اپنا ووٹ پاکستان کے حق میں استعمال کیا، مگر ہم یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ یہ ووٹ فیصلہ کن تھے۔ بہرحال یہ ہمارا چھوٹا سا حصّہ تھا۔

اِس سے قطع نظر فرینک انتھونی اور سی - ای گبن جیسے ہمارے رہنما بھی تھے جنھوں نے اینگلو انڈین اور دوسرے ہندوستانی مسیحیوں کے حقوق کے لیے جدوجہد کی اور اُن کے لیے کچھ مراعات حاصل کرنے میں کامیاب رہے۔ جناب سی - ای گبن ڈپٹی سپیکر چُنے گئے تھے۔ دیوان بہادر ایس - پی - سنگھا بھی ایک ممتاز سیاسی شخصیت تھے اور جناب رلیارام رنگ محل ہائی سکول کے پرنسپل تھے۔ اُنھوں نے جناب جناح سے ملاقات کی اور اُن سے مسیحیوں کے خدشات کے بارے میں بات چیت کی۔ جناب جناح نے اُنھیں یقین دلایا تھا کہ اُنھیں مساوی حقوق دیے جائیں گے۔ (۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کا مشہور بیان اُن کے منصفانہ نقطۂ نظر کی شہادت ہے۔)

راقم الحروف کی عمر اُس وقت تقریباً دس برس تھی اور لاہور میں قیام تھا۔ مجھے یاد ہے، ہمیں کچھ معلوم نہ تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔ دیانت دارانہ بات تو یہ ہے کہ وہ وقت سب کے لیے پریشان کن تھا۔ ہمیں معلوم نہ تھا کہ لاہور پاکستان کا حصّہ ہوگا یا انڈیا کا، ہم چوراہے پر کھڑے تھے اور ہمیں پاکستان میں رہنے یا ہندوستان جانے کا فیصلہ کرنا تھا۔ بہت سے لوگ ہماری طرح تھے جن کا اس خطّے سے تعلق نہ تھا، بلکہ جنوبی ہندوستان، بمبئی، مدراس اور یو - پی سے آکر یہاں رہائش پذیر ہوئے تھے۔ متعدّد واپس اپنے آبائی وطن چلے گئے اور دوسروں نے انگلستان نقل مکانی کرلی۔ میرے والد محکمہ ریلوے میں ایک عہدے پر فائز تھے اور اُنھوں نے یہاں رہنے اور پاکستان کی ملازمت کرنے کا فیصلہ کیا۔ اُنھوں نے اپنے ماتحت کی تربیّت اس طرح کی کہ اُن کی جگہ لے سکے اور خود ۱۹۵۰ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوگئے۔

زیادہ تر پنجابی مسیحی فرزندِ زمین ہونے کے ناتے اپنے ہی دیہات میں مقیم رہے اور زمینوں پر کام کرتے رہے، لیکن نئے آقاؤں کے زیرِ سایہ نئی اور نسبتاً سخت تر شرائط کے تحت۔ مسیحیوں نے جب پاکستان کے حق میں فیصلہ کرلیا تو اُنھوں نے وفادار اور دیانت دار شہریوں کے طور پر پاکستان کی خدمت کی۔ اُن کا جذبۂ حب الوطنی کسی طرح دوسروں سے کم نہیں، بعض نے تو دفاعِ وطن میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا ہے۔ یہ وہ ہیرو ہیں جن کے لیے گیت نہیں گائے گئے، جنھیں کبھی کوئی تمغہ

نہیں ملا۔

استقامیہ ہو یا سول سروس، نقل و حمل کا محکمہ ہو، مسلح افواج ہوں یا پولیس، یا سماجی اور امدادی کیمپ ہوں، مسیحی ہر جگہ اپنی جان و مال کے ساتھ موجود رہے۔ فادر آر - اے - ڈی سوزا کے والد جناب فرینک ڈی سوزا نے محکمہ ریلوے میں نہایت اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔

ہندوستان کی تقسیم کا فیصلہ توقع سے بہت پہلے ہو گیا تھا اور اس کے نتیجے میں بہت افراتفری پھیلی اور قتل و غارت ہوئی۔ جون ۱۹۴۷ء سے بڑے پیمانے پر آبادی ادھر سے اُدھر جانے لگی تھی۔ آنے والے کاروانوں اور ریل گاڑیاں سے آنے اور والٹن کے مقام پر کیمپوں میں رکھے گئے۔ مسیحی مذہبی رہنما، راہبات اور عام خواتین بیماروں کی تیمار داری اور بھوکوں کو کھانا کھلانے میں مصروف رہیں۔

اُن دنوں بیگم وقار النساء نون ریڈ کراس کی انچارج تھیں۔ وہ آسٹریا نژاد تھیں، وہ ایک بیلجیئن پادری، فادر فیڈن ٹین سے رابطہ رکھتی تھیں جنہیں وہ مختلف منصوبوں کے حوالے سے جانتی تھیں۔ فادر فیڈن ٹین نے بہت زیادہ امدادی کام کیا۔ نارووال میں فادر سیلزلیس نے سیکڑوں افراد کو بحفاظت سرحد عبور کرائی۔ گوجرانوالہ میں فادر فیڈن ٹین نے دو ننھی سکھ لڑکیوں کی جان بچائی، جب کہ اُس ٹرین میں باقی سب مر چکے تھے۔ ان میں سے ایک اب امریکہ میں ہے اور دوسری لاہور میں، جس کی بیٹی مدر ٹریسا کی کارکن خواتین میں شامل ہے اور دکھی لوگوں کی خدمت کر رہی ہے۔ سینیٹ انتھونی سکول میں طویل عرصہ کام کرنے والی، مس ڈلسی فریزر کی یادوں میں وہ منظر اب تک تازہ ہے کہ اُن کی والدہ کس طرح اُن مہاجرین کے لیے سامان لے جاتی تھیں جو واہگہ سرحد سے آتے تھے۔

بیکاری اور تجارت کے میدان میں ہندوؤں کے ترک سکونت کر جانے سے جو خلا پیدا ہوا تھا، اسے پُر کرنے کے لیے گرنڈلیز اور ریزور بنک وغیرہ نے بمبئی سے سٹاف بلایا اور اس طرح ابتدائی برسوں میں متعدد بنکوں اور پرائیویٹ فرموں میں مسیحی کام کر رہے تھے۔ خود میرا چچا زاد بھائی بین سلڈنہ [مشہور دواساز کمپنی] سیبا میں بطور مینجر چارج لینے کے لیے بمبئی سے آیا تھا۔ وہ وقت اُس کے لیے بے پناہ مشکلات کا تھا، اُسے تین بار مکان بدلنا پڑا، اُسے ہر بار متنبہ کیا گیا کہ مکان ہندوؤں کی ملکیت ہے اور کسی وقت بھی جلایا جا سکتا ہے۔ ان لوگوں نے پاکستان کی اقتصادی بنیادیں رکھنے میں مدد دی تھی۔ ہمیں اس موقع پر پارسی اور ہندو تاجروں کی خدمات کا تذکرہ بھی کرنا چاہیے جنھوں نے نئی ریاست کی اقتصادیات کی ترقی کے لیے کام کیا تھا۔

میرے دوست جناب لگروو سورز، جو کراچی میں سرکاری ملازمت کر رہے تھے، بتاتے ہیں کہ کس طرح ایک روز قائداعظم دفتر آئے۔ اُنھوں نے دفتر کے سربراہ سے ایک رپورٹ لی اور پھر جناب سورز کو بلایا اور اُنھیں کہا: "میں نے سُنا ہے کہ تم پاکستان چھوڑنے کے لیے اجازت مانگ رہے ہو۔ کیوں؟

میری آپ سے درخواست ہے کہ یہیں رہیں۔ حکومت چلانے کے لیے ہمیں آپ جیسے پڑھے لکھے لوگوں کی ضرورت ہے۔" جناب سورز نے یہیں رہنے کا فیصلہ کیا۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد ہی وہ آسٹریلیا گئے۔

تعلیم کے میدان میں متعدد راہبات نے کانونٹ سکولوں میں اعلیٰ خدمات انجام دی ہیں۔ محمد اقبال، خود جناح اور عاصمہ جہانگیر وغیرہ نے مسیحیوں کے اداروں میں تعلیم حاصل کی ہے۔ جناب ہیوبرچ پول کو حسن ابدال میں کیڈٹ کالج قائم کرنے کے لیے بلایا گیا تھا اور اُنھوں نے ایبٹ آباد کی اکیڈمی میں تدریسی کام کیا تھا۔ وہ اس سال ۹۱ برس کی عمر میں فوت ہو گئے ہیں اور اُن کی آخری رسومات میں اُنہیں خراج تحسین پیش کرنے کئی جنرل آئے تھے۔

فنونِ لطیفہ کے میدان میں، انا مولکا احمد نے پنجاب یونیورسٹی میں شعبے کا آغاز کیا اور مادام آزوری کلاسیکی ناچ کی زبردست علمبردار تھیں۔ جناب جوشوا فضل الدین پنجابی کے ایک بڑے عالم تھے اور برسوں پنجاب یونیورسٹی کے نصاب میں اُن کی کتابیں شامل رہی ہیں۔

جہاں تک صحافت کا تعلق ہے، ہمیں روزنامہ "ڈان" کے پہلے ایڈیٹر ایک مدارسی جناب تھامس کا ذکر کرنا چاہیے جنہیں خود جناب جناح خصوصی طور پر دہلی سے کراچی لائے تھے، کیوں کہ جناب جناح کو اُن پر بھرپور اعتماد تھا۔ ابتدائی پریس فوٹوگرافروں میں ایک بڑا نام جناب ایف - ای چوہدری کا ہے۔ بادشاہی مسجد میں ایک میز پر کھڑے ایک ہجوم سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم کی تصویر جناب چوہدری نے اُتاری تھی۔ یہ تصویر اب کلاسیک کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔

طب کے شعبے میں متعدد مسیحیوں کی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں جنھوں نے تن تنہا کام کیا۔ آئیں! ڈاکٹر ڈریگو کو خراجِ تحسین پیش کریں جو اب ۹۰ برس کے ہیں اور گزشتہ پچاس سال سے اندرونِ سندھ میرپور خاص میں بیمار غریبوں کی خدمت بجا لا رہے ہیں۔ اُنہیں اُن کی بے لوث خدمت کے اعتراف میں متعدد ایوارڈ اور تمغے دیے جا چکے ہیں۔

قانون کے شعبے میں ہم سابق چیف جسٹس جناب اے - آر - کارنیلیس کی جو پانچ برس پہلے ہم سے جدا ہوئے ہیں، عظیم خدمات فراموش نہیں کر سکتے۔ وہ آخری دم تک پاکستان سے محبت کرتے رہے اور اُنھوں نے زندگی کے آخری برس یہیں گزارے تھے۔ ہمیں انسانی حقوق کے نڈر چیمپئن جسٹس دراب پٹیل اور کراچی کے جناب ایچ - ٹی ریمنڈ کو بھی یاد رکھنا چاہیے۔

مسیحیوں نے پاکستان کے دفاع میں مسلمانوں کے شانہ بہ شانہ خدمت انجام دی ہے۔ جناب سِسل چوہدری ایک نمایاں مثال ہیں اور بعض مسیحیوں نے اپنے وطن کے دفاع میں جانوں کا نذرانہ پیش کیا ہے، مگر کسی سڑک کا نام دوسرے شہداء کے برعکس اُن کے نام پر نہیں۔ سکول میں میرے ایک دوست میرون مڈل کوٹ تھے۔ اُنھوں نے پاکستان فضائیہ میں ملازمت شروع کی اور ۱۹۶۵ء میں ستارہ

جرأت حاصل کیا، لیکن ۱۹۷۱ء میں اُن کا طیارہ اُس وقت مار گرایا گیا جب وہ دشمن کے خلاف بمبئی کے اوپر ایک فضائی مشن پر تھے۔ میرے لیے یہ ایک ذاتی نوعیت کا نقصان تھا، مگر اُنھوں نے مادرِ وطن کے لیے اپنی جان دی تھی، لیکن ان کا نام صفحۂ اعزاز پر کیوں نہیں؟ نتیجتہً ایک مکمل تاریخ لکھنے کی ضرورت ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ مسیحیوں اور دوسری اقلیتوں نے پاکستان کی تعمیر و ترقی میں حصّہ لیا ہے، مگر تاریخ اس بارے میں خاموش ہے۔ اس جوبلی سال کے موقع پر ہمیں سنجیدگی سے نسبتاً وسیع تر تناظر میں غور کرنے کی ضرورت ہے۔ گولڈن جوبلی کے پروگرام میں حقیقتاً اقلیتوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ مسیحی اور دوسری اقلیتیں محسوس کرتی ہیں کہ اُنھیں نظر انداز کیا گیا ہے، اور وہ تقریبات منانے کے موڈ میں نہیں۔

آئندہ نسلوں کے لیے ریکارڈ کو درست رکھنے اور اُن کے کردار کو دستاویزات کے ذریعے محفوظ کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں اُن کی کہانی بیان کرنے کی بھی ضرورت ہے اور اس پر فخر کرنے کی بھی۔

مجھے آپ کو یہ بتاتے ہوئے خوشی ہو رہی ہے کہ ایسا ایک پروگرام ادارۂ امن و انصاف - کراچی کے مالی تعاون سے جلد ہی سامنے آنے والا ہے، اس کے جنرل ایڈیٹر معروف مؤرخ ڈاکٹر مبارک علی ہیں۔ اس علمی منصوبے میں مختلف کتاب خانوں میں تحقیق کی جائے گی اور ایک سو افراد کے انٹرویو لیے جائیں گے۔ ہمیں اُمید ہے کہ ہمارے بہت سے مسیحی اور مسلم دوست اس علمی منصوبے میں تعاون کریں گے اور یہ واضح کرنے میں مدد دیں گے کہ اقلیتوں نے مملکت پاکستان کے لیے وفادارانہ اور فراخ دلانہ کردار ادا کیا ہے۔